پورٹو نووو (بنین)، وکاریو اپاسٹیکا ڈی سوڈو۔ ہوسا نا (ایتھوپیا)، مزوزو (ملاوی)، مکردی (نائجیریا) اور پُسان (کوریا) میں قائم شدہ ادارے بڑے درجے کے ہیں۔

۱۹۹۱ء میں "مقدس پطرس رسولی سوسائٹی" نے ۴،۵۶،۵۱،۱۰۹ ڈالر کی رقم خرچ کی ہے۔ سوسائٹی امیدوار راہبوں کی امداد بھی کرتی ہے۔ مشن پر انحصار کرنے والے علاقوں میں اس نے ان مدات پر ۷،۹۶،۸۰۰ ڈالر خرچ کیے۔ خاتون امیدوار راہبوں کو ۷،۶۹،۵۵۰ ڈالر کی امداد دی گئی۔ مشن کے زیر اہتمام علاقائی راہبوں کو ۶،۰۵،۰۹۴ امریکی ڈالر دیے گئے ہیں جو "Paul vi Foyer" میں زیر تربیت ہیں۔ (رپورٹ: انٹرنیشنل فائڈز سروس)

مسلمانوں کے لیے مشن

مسلمانوں میں تبلیغِ عیسائیت کی تدبیریں

[سہ ماہی "دی مسلم ورلڈ" (The Muslim World) ہارٹ فورڈ سیمیزی (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کی جانب سے شائع ہونے والا معروف مجلہ ہے، جس میں مسیحی - مسلم تعلقات اور مطالعۂ اسلام کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس مجلّے کا آغاز پادری ایس - ایم - زویمر نے ۱۹۱۱ء میں کیا تھا۔ پادری صاحب مسلمانوں میں تبلیغِ عیسائیت کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں اور اردو دان طبقہ اُن کی تالیف "الغزالی" سے بخوبی واقف ہے۔

پادری زویمر نے جس مقصد کی خاطر "دی مسلم ورلڈ" کا اجراء کیا تھا، یکے بعد دیگرے آنے والے اُن کے جانشینوں نے اسے کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اپریل ۱۹۴۰ء کے شمارے میں امریکی مشنری جی۔ ایل۔ شترلین کے قلم سے "مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت" پر ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس کی تلخیص ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) نے اسی دور میں شائع کی تھی۔ ذیل میں یہی تلخیص نقل کی جاتی ہے۔ مدیر]

گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے مغربی دنیا اور اسلامی ممالک میں جو گہرا ربط پیدا ہو گیا ہے، اس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، اس تعلق کی ابتداء مصر پر نپولین کے حملہ یعنی اٹھارہویں صدی سے ہوتی ہے، گو ہماری اور اسلامی ملکوں کی سرحدیں ہمیشہ سے ملی رہی ہیں۔ لیکن ہمارے تعلقات کبھی خوشگوار نہیں رہے اور نہ ہم نے ایک دوسرے کو سمجھا۔ لیکن موجودہ دور کی عیسائیت اس صورت حال کو قائم رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس دور میں نہ صرف ارکان اسلام کو پورے طور سے سمجھا گیا ہے بلکہ

اسلامی زندگی، تاریخ، تہذیب و تمدن وغیرہ مذہب اسلام کے ہر پہلو پر گہری نگاہ ڈالی گئی ہے، اور بہ نسبت پہلے کے اب حقیقت زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ دنیا کے اکثر بڑے مذاہب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، خود اسلام کی باطنی کیفیت عیسائیت اور اسلام میں مشترک ہے، دونوں مذاہب خالقِ اکبر کے سامنے تسلیم و رضا، صبر و تحمّل اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہیں، آخرت کے بارے میں بھی دونوں کا عقیدہ مشترک ہے۔

یہ امر مشتبہ ہے کہ مسلمانوں میں تبلیغِ عیسائیت کے سلسلے میں ہم نے عام مسلمانوں کی نفسی و ذہنی کیفیت کو اس طریقہ سے سمجھ لیا ہے کہ ان کے سامنے عیسائیت کے نظام اور اس کی نظری تعلیمات کو پیش کرنے کے بجائے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی عملی تفسیر پیش کر سکیں گے یا نہیں، مسلمانوں میں تبلیغِ عیسائیت کے اصول کار کا مسئلہ اس حیثیت سے چنداں اہم نہیں ہے کہ عیسائیت مسلمانوں کو انسانی ربانی امور میں اپنے زاویہ نگاہ پر لانے کے لیے کیا کوشش کر رہی ہے، بلکہ اس مسئلہ کا عملی حصّہ بہت زیادہ اہم ہے۔ ہم صرف عیسائی مبلّغین کے کام پر اکتفا کرتے ہیں اور ان مبلّغین سے جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا مقصد بنا لیا ہے، سوال کرتے ہیں کہ ہر عیسائی بہ حیثیت انسان اور بہ حیثیت حکومت الٰہی کے منّاد کے اس بلند طرزِ زندگی اور بلند نصب العین کو جس کا ہم تنہا اپنے کو مالک سمجھتے ہیں، کس طرح مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اُن کے سامنے مکمل انسانی زندگی کے نمونہ میں متشکل نظر آئے۔

تصوّرات اور نظریات پیش کرنا بہت آسان ہے، لفظ عیسائیت ایک تصوّر ہے، لفظ اسلام بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ پانچ حرفوں کا یہ لفظ اختصار و جامعیت کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے وہ سب کچھ پیش کر دیتا ہے جس سے اسلام عبارت ہے۔

اسلام بھی خدا کی اطاعت، تسلیم و رضا اور نفس کشی کا مظہر ہے، اس کی منطق بھی مکمل ہے، لیکن ہمارا مجموعہ قوانین اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ وہ ایک مافوق الانسانی مجموعہ قوانین ہے، لیکن جہاں تک اخلاص اور جان سپاری کا تعلق ہے، مسلمان اس کا بلند نمونہ پیش کرتے ہیں۔ گو بلند نقطۂ نظر سے ہمارا معیارِ زندگی، ہماری اخروی امیدیں اور مسرّتیں زیادہ بلند ہیں۔ لیکن حصول کمال یا کم از کم وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمارے مقابلہ میں مسلمانوں کا طریقہ زیادہ عملی اور قابل عمل ہے۔ جس کا ثبوت اکابر مسلمانوں کے سوانح سے ملتا ہے، مثلاً بابر اور جہانگیر گو اسلام کا صحیح نمونہ نہ تھے لیکن ان کی سوانح عمریاں (توزک) اپنے خدا کی بعض حقیقی صفتوں پر ان کے غیر متزلزل ایمان و اثر کا اظہار کرتی ہیں۔ مجھے کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ روحانی تکمیل کے لیے اسلام میں ایسے آئین و اصول ہیں جن پر اسی نوع کے

عیسوی اصولوں کو فوقیت حاصل نہیں ہے۔

ان باتوں سے ہمیں یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کے لیے ہمیں کون سی مناسب تدبیریں اور طریقے اختیار کرنے چاہئیں، اگر ہم از سر نو کام شروع کریں تو مسلمانوں کے قلب و دماغ اور روح تک پہنچنے کے لیے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں ہمارے لیے مسلمانوں کا طریقۂ تبلیغ اور ان کی ہوش مندانہ تدبیروں کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔ میدانِ جنگ میں سپہ سالار اور معمولی سپاہی کسی کو بھی دشمن سے مفید سبق لینے میں عار نہ ہونی چاہیے۔ ہمارے لیے ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے مبلّغین اپنے مادی اور روحانی مرکز سے بہت دور بھیج دیے جاتے ہیں۔ اس دوری کی وجہ سے وہ اجنبی مقاموں پر کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے، لیکن اس مشکل کا کوئی حل نہیں ہے اور ہماری تبلیغی فوج اس سے زیادہ متحرک نہیں ہو سکتی۔

آشرم کے تخیّل اور اُس کے طریقہ کار پر جس کی بنیاد خالص اسلامی خیالات و جذبات پر ہے، مدّتوں سے ڈاکٹر اسٹینلی جونز اور بعض دوسرے مبلّغین کا عمل ہے، اس طریقہ سے پروٹسٹنٹ مبلّغین کے حلقہ میں ایسی جماعتیں بھی شامل ہوجائیں گی جو رومن کیتھولک چرچ کی خالص مذہبی خدمات کی طرح مبلّغین کے لیے نہایت مفید ثابت ہوں گی۔ ۱۰

مسلسل تجربات سے اب یہ بات یقین کی حد تک پہنچ گئی ہے کہ مسلمانوں میں عیسائیت کو موثر تبلیغ کے لیے نہ صرف پروٹسٹنٹ کو تنہا اپنا گھر سنبھالنا ہے (کیونکہ مسلمانوں میں تبلیغ کا کام نہایت دشوار ہے اور اس کے نتائج بالکل ناقابل اعتناء ہیں۔) بلکہ مختلف کلیساؤں کو پوری توجہ، فیاضی اور ہوش مندی کے ساتھ اس مہم کو قائم رکھنا ہے۔

زنانہ تبلیغی جماعتوں نے اپنے کام میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، لیکن ان کے کام میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی نظری اور عملی تعلیمات کو متوازن طریقہ سے نہیں پیش کیا ہے۔ اگر وہ یہ نہ محسوس کریں گی کہ مسلمان بہت سی باتوں میں بالکل ہماری طرح ہیں اور ان کے ساتھ ان کا طرزِ عمل غیر مساویانہ ہوگا تو ان کا یہ طریقہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لیے خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ مسلمان ان کے نسلی اور اس سے بھی زیادہ محض خیالی اخلاقی تفوّق کو گوارا نہیں کریں گے۔

کیا عیسائی دنیا میں کبھی وہ زمانہ آئے گا جب عام عیسائی ہمارے عقیدہ اور مقصد کے سچّے مبلغ بنیں گے اور ان میں خدا کی حکومت قائم ہوگی۔ کیا ہمارے طبقۂ عوام میں وہ فطانت نہیں ہے، جو غیر عیسائی یا دوسرے نظاموں میں پائی جاتی ہے۔ اگر اسلام قولاً و عملاً عیسائیت کے قریب نہیں آتا تو ہم کیوں پرستارانِ توحید کو اپنے حلقہ میں لانے کی کوشش سے باز رہیں۔ کیا ہمارے پاس ذرائع نہیں ہیں۔ یا تدبیر و طریقہ کار سے واقفیت نہیں رکھتے یا ان کو استعمال کرنا نہیں چاہتے یا انہیں صرف مادی حدود

تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی رکاوٹ بڑی حد تک خود ہمارے مذہب کا معیار اور اس کا بلند مجموعۂ قوانین ہے۔

اسلام کی طرح عیسائیت نے دقیق قوانین وضع نہیں کیے اور پروٹسٹنٹ کی بہ نسبت اسلام میں عقلی و اخلاقی مسائل و قوانین کا اتنا احاطہ ہے کہ ان چیزوں میں خود مسلمانوں کے لیے انتخاب کی گنجائش باقی نہیں ہے اور وہ اسی کے عادی ہیں۔ اس لیے ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہوگیا ہے کہ حق و انصاف کے مطابق قانونِ اخلاق کے زیادہ سے زیادہ کتنے ارکان ہو سکتے ہیں، جو مسلمانوں کو حلقۂ عیسائیت میں لانے کے لیے ضروری ہیں۔ عیسائی قوانین صرف قید و بند عائد کرتے تھے، اسلامی قانون گو عجب متلوّن اور غیر مستقل معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود اس میں فقہی و رسمی تفصیلات بہت ہیں، جو فطرتِ انسانی کے لیے بڑی مراعات پیش کرتی ہیں۔

اسلام کی شریعت پرستی کے مقابلہ میں عیسائیت کی آزادی کو دیکھ کر ایک نوعیسائی کے دماغ میں جو انتشار پیدا ہوتا ہے، وہ اتنا اہم اور پریشان کن ہوتا ہے، جس کا ہم لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ مسلمان اپنا مذہب چھوڑنے کے بعد بھی اس کے مقررّہ نظام اور اس کے قانون کی وہ باریکیاں نہیں بھولتے جن میں وہ گھرے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں شبہ نہیں کہ ان نوعیسائیوں کی بعض اخلاقی کمزوریوں کا سبب دینِ عیسوی میں مذہبی و اخلاقی قوانین کی عدم موجودگی اور اس کی ظاہری بے اصولی ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب میں مذہبی قوانین کی جزئیات کی کمی کی وجہ سے ان کے انتخاب میں ان نوعیسائیوں کی رہنمائی نہیں ہوتی۔ یہ چیز خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سے ایسے طور طریقے جنھیں ہم عیسائی قبول کرتے ہیں، نوعیسائیوں کے علم میں آنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے ہونہار عیسائی تباہ ہو گئے اور دوسرے مذاہب کے نوعیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام سے آتے ہوئے نوعیسائیوں کے ساتھ کہیں زیادہ محبت اور توّجہ کی ضرورت ہے۔

اس امر میں شبہ کرنا کہ آئندہ مسلمانوں کی بڑی تعداد عیسائیت قبول کرے گی، اس صداقت کی قوّت پر شبہ کرنا ہے جو دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی تھی۔ ایک زمانہ میں یروشلم کے کلیسا کو شبہ تھا کہ بحر روم کے آس پاس کی رہنے والی مشرک قومیں بھی کبھی عیسائیت قبول کریں گی۔ اسی طریقہ سے جنوبی یورپ کے کلیسا کو شک تھا کہ کبھی شمال کی وحشی قومیں بھی عیسائیت کی طرف متوجہ ہوں گی۔ ایک زمانہ تک پروٹسٹنٹ ممالک جرمنی، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، ہالینڈ اور اسکنڈے نیویا کو کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا کہ وہ افریقہ، ہندوستان اور مشرقی ایشیا میں بسنے والی قوموں میں مشعلِ صداقت روشن

کریں، لیکن ان مقاموں پر تبلیغِ عیسائیت نے اس روحانی اور دماغی جمود کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طریقے سے ایک زمانہ وہ بھی آئے گا، جب یہ وہم بھی کہ مسلمان کبھی عیسائی نہیں ہو سکتے، دوسرے خرافات کی طرح ختم ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ان واقعات کے اثرات مشرقِ قریب، ہندوستان اور شمالی افریقہ کے کلیساؤں پر بہت شدید ہوں گے۔ اگر عیسائیت کی تلقین اور مثال سے گاندھی اور چیانگ کائی شیک اور دوسرے چینی رہنما پیدا ہو سکتے ہیں، تو پھر اس کی تبلیغ سے آئندہ دنیا پر کیا کچھ اثر نہ پڑے گا۔ (ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ - مئی ۱۹۴۰ء)

خلیجی جنگ نے اسلامی معاشرے میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔

[زیرِ نظر رپورٹ Pulse کے ایک حالیہ شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ یہ رپورٹ مجلّے کے اپنے نامہ نگار نے تیار کی ہے۔ مدیر]

"خلیجی جنگ کے ختم ہونے پر مسلم دنیا میں جو بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، یہ مستقبل قریب میں تبشیری کام کے لیے ایک موڑ کی حیثیت رکھتی ہیں۔" یہ بات ایک معروف مشنری رہنما نے کہی ہے۔

جناب رے ٹال مین ۱۹۹۳ء میں ڈربی کی Arab World Ministries کے بین الاقوامی ڈائریکٹر کا عہدہ سنبھالیں گے۔ وہ پُر امید ہیں کہ "خلیجی جنگ کے بعد یہ احساس بڑھ گیا ہے کہ اب تبشیر کے لیے زیادہ بہتر مواقع موجود ہیں۔ تاریخ کا یہ اہم موقع ہے لیکن ہمیں افراد، سرمایہ اور سب سے بڑھ کر تبشیری قوّتِ کار درکار ہے تاکہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔"

ٹال مین ان دنوں مُوڈی بائبل انسٹی ٹیوٹ شکاگو کے عالمی مشنوں اور تبشیر کے شعبے کے چیئرمین ہیں اور اُن کی اہلیہ "مارج" کو مسلمانوں کے درمیان مراکش میں تبشیری کام کرنے کا وسیع تجربہ حاصل ہے۔

اعتماد کا بحران

جناب ٹال مین اور دوسرے مبشّرین کا احساس ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کشیدگی کے حوالے سے تبدیلی انفرادی سطح پر ہے۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ خلیجی جنگ کے واقعات سے مسلم اتحاد کے آئیڈیل کو شدید دھچکا لگا ہے اور اس سے مذہبی اعتماد میں براہِ راست کمی واقع ہوئی ہے۔ بھائی بھائی کے خلاف جنگ آزما ہوا ہے اور یہ سب کچھ (ایران - عراق تنازعے کی طرح) عرب دنیا کے ایک سرے پر نہیں بلکہ یہ عرب دنیا کے قلب میں واقع ہوا ہے۔